70

دعوت الی اللہ کیلئے ایک نیا میدان

(فرمودہ ۲۳ جنوری ۱۹۲۰ء)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے جس غرض سے اس جماعت کو کھڑا کیا ہے۔ وہ غرض اتنی بڑی اور اہم ہے کہ اس کے پورا کرنے کے لیے غیر معمولی سامانوں اور غیر معمولی محنت اور غیر معمولی کوشش کی ضرورت ہے حکومتیں جس کام کو حاصل نہیں کر سکتیں، اور سیاستیں جس کام کے کرنے سے عاجز ہیں۔ علماء و فضلاء جس مقصد کے پانے سے عاجز ہیں۔ اُمراء اور دولت مند جس غایت تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ اس مقصد تک ایک غریب بے سامان، بے حکومت اور کمزور جماعت کا پہنچنا معمولی بات نہیں۔ اس وقت ہر ایک زبان اقرار کر رہی ہے۔ گو وہ اقرار کیسے ہی پردے میں ہو کہ دُنیا کو ایک تبدیلی کی ضرورت ہے، گو یہ اقرار مختلف حالات کے ماتحت بڑا پوشیدہ ہوتا ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ دُنیا کو ایک تغیر کی ضرورت ہے۔ ہر مذہب کے پیرو۔ ہر ملک کا باشندہ، ہر ایک حاکم ہر ایک فرد رعایا اقرار کرتا ہے کہ ایک تغیر کی ضرورت ہے۔ دُنیا جس رنگ میں ہے۔ وہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔ یا تو یہ انتظام ٹوٹ جائیگا۔ اور بنی نوع انسان قدیم وحشت کی طرف لوٹ جائیں گے۔ یہ تمام کوششیں اور یہ تمام ترقیاں ایک پراگندہ خیال کی طرح اُڑ جائیں گی۔ یا نیا انتظام کرنا پڑے گا۔ حکومتوں میں جوش ہے۔ رعایا کے دلوں میں اُمنگیں ہیں۔ اُمراء و غرباء میں کشیدگی ہے۔ آقا و خادم کے تعلقات میں لہریں پیدا ہو رہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ انتظام زیادہ دیر تک نہیں چل سکتا۔ یا تو یہ سارا

سلسلہ درہم و برہم ہوجائے گا۔ یا یہ آقا و خادم کے تعلقات نہ رہیں گے۔ حکومت و رعایا کے موجودہ تعلق میں فرق ہوگا۔ سیاست بدل جائیگی، موجودہ قانون بدل جائیں گے۔ کیونکہ دنیا کا جوش ظاہر کرتا ہے کہ موجودہ طریق سے اره نہیں ہوسکتا۔ ایک ایک لمحہ نہیں رتا کہ بڑی بڑی حکومتیں انقلاب کا شکار ہو رہی ہیں۔ فوجوں میں جوش ہے۔ مشینوں والے جوش میں ہیں کہ ہمیں کافی اُجرت نہیں دی جاتی۔ کارخانہ دار کہتے ہیں کہ ہم لُٹ گئے۔

غرض موجودہ وقت میں ہر ایک شاکی ہے اور ہر ایک گروہ اور طبقہ ایک تغیر چاہتا ہے اگر وہ تغیر نہ ہو تو موجودہ انتظام نہیں چل سکتا۔ دانا محسوس کرتے ہیں۔ اور وہ دانا جن کی عمریں قوانین بنانے اور تدبیریں سوچنے میں ختم ہوگئی ہیں۔ وہ سب کے سب یک زبان ہیں کہ ہمارے قوانین اور ہماری تدابیر بے اثر ہیں۔ اب یہ سوال کہ وہ کیا تغیر ہوگا؟ اگر اس کا جواب کوئی دے سکتا ہے۔ تو وہ ہم ہیں۔ لوگ جو علاج کرتے ہیں۔ وہ اُلٹا اثر کرتا ہے۔ اور اس کی یہی کیفیت ہے۔ جو کسی نے اس طرح بیان کی ہے

ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

جتنے علاج سوچے گئے۔ اور جو علاج حکام اور فلاسفروں کی طرف سے سوچے گئے۔ وہ ایک ایک کرکے آزمائے گئے، ان سے تباہی ہوئی۔ بادشاہتوں کو ظلم آفریں ٹھہرایا گیا تو پارلیمنٹیں بنائی گئیں مگر ان کے طریق عمل سے بھی لوگ خوش نظر نہیں آتے۔ بادشاہ شکایت کرتے ہیں کہ رعایا اچھا معاملہ نہیں کرتی۔ اور رعایا کہتی ہے کہ ہمارے ساتھ نیک سلوک نہیں ہوتا۔ آقا اور ماتحت کے درمیان تعلقات کشیدہ ہیں۔ غرض جتنے علاج بڑھتے گئے۔ اسی قدر مرض بڑھتا گیا۔ کوئی دن نہیں گذرتا کہ نئی سے نئی سٹرائکیں نہ ہوتی ہوں۔ اور کوئی دن نہیں جاتا، کہ کارخانے بند نہ ہوتے ہوں۔ کارخانہ دار کہتے ہیں کہ ہم اپنے سرمایہ کو خطرہ میں نہیں ڈالنا چاہتے۔ اور مزدور کہتے ہیں کہ ہم فاقہ مرینگے مگر خدمت نہ کرینگے، یہ کیا تغیر ہے۔ اور اس سے کیا ہونے والا ہے۔ سو یاد رہے کہ اس کا علاج انسانی عقل سے نہ ہوگا۔ اب اگر امن ہوگا اور دُنیا مطمئن ہوگی تو اس انتظام سے ہوگی۔ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوگا۔ اور اس انسان کے ذریعہ ہوگی۔ جو خدا کی طرف سے آیا ہے۔

دُنیا کا ایک بڑا معیار یہ تھا کہ جنگ نہ ہو۔ چالیس پچاس برس سے یہ آواز بلند ہو رہی تھی کہ امن نہیں ہوسکتا۔ جب تک آپس میں صلح نہ ہو۔ مگر اس صلح کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایسی جنگ ہوئی کہ دُنیا اس کی نظیر نہیں پیش کرسکتی۔ غرض اتنا فساد بڑھا جس کی نظیر نہیں، لیکن اب اگرچہ جرمن کی جنگ ختم ہوگئی ہے مگر یاد رکھو کہ اگر ایک بڑے محل کو آگ لگ جائے۔ تو وہ زیادہ خطرناک نہیں ہوتی۔ جتنا کہ جھونپڑی جھونپڑی

میں آگ لگ جانا خطرناک ہوتا ہے۔کیونکہ ایک محل کو لگی ہوئی بجھائی جاسکتی ہے۔مگر جھونپڑی جھونپڑی کی آگ کا بجھانا مشکل ہوتا ہے۔پس گھر گھر آگ لگنے کا نظارہ تو اب ہی شروع ہوا ہے جو ہر چشم دُور بین کو خیرہ کرتا ہے کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے۔کہ نہ فاتح خوش ہے نہ مفتوح۔نہ غالب خوش ہے نہ مغلوب۔غرض وہ لوگ جن کی اُمیدیں صلح کے ساتھ وابستہ تھیں دیکھ رہے ہیں۔کہ صلح بھی ایک خیال ہی ثابت ہو رہا ہے اور نظر آرہا ہے کہ ان کی تمام اُمیدیں یاس سے بدلتی جارہی ہیں۔یہ تمام تغیرات ثبوت ہیں اس امر کا کہ جو علاج کیا جارہا ہے وہ درست نہیں اور نہ وہ علاج ہیں اس مرض کا جو دُنیا کو لگا ہوا ہے۔کیونکہ اگر وہ مرض جسمانی ہوتا۔تو جس قدر علاج مادیات سے تعلق رکھنے والوں نے کئے۔وہ کارگر ہوتے مگر ان علاجوں کا اُلٹا اثر ہونا ثابت کرتا ہے کہ مرض جسمانی نہیں بلکہ رُوحانی ہے۔کیونکہ وہ کھانے جن کو پہلے کھا کر لوگ خوش ہوتے۔اور الحمد للہ کہتے تھے۔آج ان سے بہتر کھاتے ہیں۔مگر کہتے ہیں کہ ہم بھوکے مر گئے معلوم ہوا کہ حالت اور بگڑ گئی۔علاج سے رو بہ اصلاح نہیں ہوئی۔پس جب تک اندر کا علاج نہیں ہوگا۔یہ تمام کوششیں بے سود ثابت ہونگی۔وہ اندرونی حالت بدل سکتی ہے۔اسی علاج سے جو خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔اور وہ احمدیت ہے۔یہ اور بات ہے کہ کوئی احمدی کہلانے والا بھی اس وقت غیر مطمئن حالت میں ہو۔اس کی مثال ایسی ہی ہوگی کہ جس نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہوں۔اور روشنی کو نہ دیکھتا ہو یہ باغ میں بیٹھا ہو مگر خوشبو نہ سونگھے۔اور پھل نہ کھائے۔اگر کوئی احمدی اپنی شقاوت کی وجہ سے مطمئن نہ ہو تو اس کے معنی یہی ہیں کہ اس نے وہ علاج کیا ہی نہیں۔غرض یہی ایک علاج ہے جس سے دُنیا میں امن قائم کیا جاسکتا ہے۔حاکم و محکوم کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کی جاسکتی ہے۔اگر احمدیوں میں سے بعض کو حالت اطمینان نصیب نہ ہو۔اور وہ اس جنت میں نہ ہوں۔جو مومن کے لیے یہیں سے شروع ہو جاتا ہے تو ان کی مثال یہی ہوگی کہ بخار شدید چڑھا ہے۔مگر کونین جیب میں رکھ چھوڑی ہے اور اس کو استعمال نہیں کرتے یا پیاس سے بے حال ہیں اور ٹھنڈے پانی کی صراحی پاس ہے۔جس کو سینہ سے لپٹائے بیٹھے ہیں۔مگر پیتے نہیں۔اس کی مثال ایسی ہے۔جو بھوک سے مر رہا ہے۔اور عمدہ لذیذ کھانا سرہانے رکھا ہے جس کو کھاتا نہیں۔پس جس طرح بیمار کی جیب میں کونین ہونا۔پیاسے کے پاس ٹھنڈا پانی ہونا اور بھوکے کے پاس عمدہ کھانا ہونا اس کو اس وقت تک مفید نہیں ہوسکتا۔جب تک وہ اسے استعمال نہ کرے۔اسی طرح اگر کوئی احمدی احمدی کہلاتا ہے اور حضرت صاحب کی کتب بھی پاس رکھتا ہے۔لیکن احمدیت کے مغز سے آگاہ نہیں۔تو یہ اُس کی شقاوت ہے کہ چیز کے موجود ہوتے ہوتے اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتا۔

پس احمدیت ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے دلوں کو تسلی دی جاسکتی ہے۔حاکم و محکوم کے تعلقات

کو خوشگوار بنایا جاسکتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے احمدیت کے ذریعہ اطمینان بخشنے والی چیز مہیا کردی ہے۔ اب دُنیا کا فرض ہے کہ اس سے فائدہ اُٹھاتے۔ ہزاروں نہیں لاکھوں ہیں جنہوں نے اپنے دل و دماغ میں اس تعلیم کو لے لیا۔ اور وہ اطمینان کی حالت میں ہیں۔ پس اگر بعض لوگ ایسے ہوں بھی جن کی حالت اطمینان کی نہ ہو۔ تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ علاج ہی درست نہیں۔ لاکھوں ہم دیکھتے ہیں جنہوں نے اس علاج سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اور اس کا بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے اس سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ کوشش کرکے اس علاج کو دوسروں تک پہنچائیں اور ہر احمدی کا فرض ہے کہ اس آگ کے وقت میں اس پانی کو دُنیا کے گوشوں میں پہنچائے۔ کیونکہ جب ایک محلہ میں آگ لگ جائے۔ تو محلہ والوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اس آگ کو فرو کرنے کی کوشش کریں۔ جو اس فرض کو ادا نہیں کرتے۔ اور اس آگ کو نہیں بجھاتے تو وہ اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں۔

خدا کے فضل سے اب کام دن بدن وسعت پکڑ رہا ہے، لیکن جس قدر ہمارا کام ہے۔ اس قدر ہمارے پاس آدمی نہیں جن سے کام لیکر تمام دنیا میں تبلیغ کو پہنچائیں۔ اگرچہ آدمی تو ہیں۔ مگر اس قابلیت کے نہیں جن کو جہاں بھیجنے کی ضرورت ہو بھیجے جاسکیں۔ اور یہ دراصل یہ ہماری کوتاہی ہے۔ کہ ہم نے تیس برس کے عرصہ میں ایسے آدمی کافی تعداد میں پیدا نہیں کئے۔ جن سے ہم تبلیغ کا پورا پورا کام لے سکیں۔ اسی ہفتہ میں بغداد سے ایک تار آئی ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ ہمیں ایک مبلغ کی فوراً ضرورت ہے۔ یہ ایک نیا میدان ہے۔ جب سے ترکوں کو شکست ہوئی ہے اور انگریزی گورنمنٹ اس علاقہ پر قابض ہوئی ہے۔ مختلف مشنوں کے پادریوں نے اس علاقہ میں اپنا ڈیرا جما لیا ہے۔ مگر وہ لوگ پادری کی حیثیت میں نہیں گئے۔ بلکہ ڈاکٹر بن کر گئے ہیں اور زخمیوں کا علاج کرتے ہیں اور اس عرصہ میں قریباً دو ہزار پادری امریکہ سے وہاں پہنچ چکا ہے جن سے واقف کار لوگوں کو اتنا خطرہ پیدا ہوگیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ چالیس پچاس برس میں سارے کا سارا یہ علاقہ عیسائی ہوجائیگا۔

بغداد اتنا مشہور شہر ہے کہ وہ لوگ بھی جو تاریخ سے ناواقف ہیں اور دیہات کی زندگی بسر کرتے ہیں اس کو جانتے ہیں۔ کیونکہ بغداد ایک وقت میں دُنیا کا نقطہ مرکزی بنا ہوا تھا۔ اور دنیا اس کے گرد چکر کھا رہی تھی اور وہ گویا علوم ظاہری کے لیے بطور کعبہ تھا۔ جس طرح رُوحانیت کے لیے مکہ کعبہ تھا۔ چھ سو سال تک وہاں خلافت اسلامیہ قائم رہی اور دُنیا کے ایک بڑے حصہ پر وہاں کی حکومت تھی۔ بہت کم لوگ ہونگے جنہوں نے ہارون الرشید کا نام نہ سُنا ہوگا۔ حتیٰ کہ قصہ کہانیوں میں جنوں کے ساتھ اس کا ذکر آجاتا ہے۔ گویا کہ اس کی شہرت نے عالمگیر رنگ اختیار کرلیا ہے۔ علاوہ اس کے ہندوستان سے اس کا ایک خاص

تعلق رُوحانی بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ سید عبدالقادر جیلانی بغداد میں ہی بڑھے اور وہیں فوت ہوئے۔ اور ہندوستان میں ان کے ماننے والے بکثرت ہیں۔ اور یہاں سے بہت سے لوگ ان کے مقبرہ کی زیارت کو اب بھی جاتے ہیں۔ غرض بغداد مسلمانوں میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ کسی زمانہ میں وہ اتنا بڑا شہر تھا کہ کئی لاکھ حمام اس میں تھے اور جہاں لاکھوں حمام ہوں گے۔ تو حماموں میں نہانے والے بھی اسی نسبت سے ہونے چاہئیں۔ اور وہاں بہت بڑے بڑے کتب خانے تھے اور تمام دُنیا کے علماء فضلاء کا مرجع تھا۔ بنو اُمیّہ جو حضرت معاویہ کے خاندان کے لوگ تھے۔ ان کی حکومت ایک سو سال تک رہی۔ ان کی بربادی پر بنو عباس جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کی اولاد سے تھے۔ ان کی حکومت قائم ہوئی۔ اور انہوں نے بغداد کو اپنا دار الخلافہ بنایا۔ اور کئی سو سال تک سپین کے سوا باقی تمام اسلامی دُنیا افغانستان۔ ایران۔ عراق عرب۔ شام۔ مصر۔ افریقہ۔ ایشیاء کوچک۔ سائبریا اور روس کے بعض علاقوں پر ان کی حکومت رہی۔ غرض وہ ایک لمبے عرصہ تک اسلامی دُنیا کا مرکز رہا ہے گو مذہبی نہ سہی سیاسی ہی سہی۔ اس طرح وہ اسلامی شہروں میں سے ایک خاص شہر ہے اور اس پر عیسائیت نے اس جوش سے تبلیغ شروع کر دی ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ چالیس پچاس برس میں خیال کیا جاتا ہے۔ وہ علاقہ تمام کا تمام عیسائی ہو جائے گا۔ جنگ کے دنوں میں اگر ہمارے پاس بھی ڈاکٹر ہوتے۔ تو ہم ان کو بھیجتے۔ وہ وہاں مفت علاج کرتے۔ اور دوائی بھی اپنے پاس سے دیتے جو ہم ان کو مہیا کرتے۔ واعظوں کو روکا جا سکتا ہے، لیکن طبیبوں کو کون روک سکتا ہے۔ کیونکہ وہ سب خرچ اپنے پاس سے کرتے اور سرکار بھی ان کو روک نہ سکتی تھی۔ کیونکہ ان کا کوئی بوجھ سرکار پر نہ تھا لیکن اب وہ وقت تو گیا۔ اب صُلح ہو گئی ہے۔ اور کسی حد تک آزادی بھی ہو گئی ہے۔ مجھے تار میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہاں کے احمدیوں نے ڈیڑھ ہزار روپیہ چندہ جمع کر لیا ہے۔

یہ یقینی بات ہے کہ جہاں احمدیت گئی۔ وہاں عیسائیت نہیں ٹھہر سکتی جس طرح کہ لاحول سے شیطان بھاگتا ہے۔ اسی طرح احمدیت سے عیسائیت بھاگتی ہے۔ جب عیسائیوں کو معلوم ہو جاتے کہ یہ احمدی ہے۔ تو وہ کہدیا کرتے ہیں کہ ہمیں بحث کی اجازت ہی نہیں۔ مصر میں جہاں ہمارا کوئی مبلغ نہیں گیا جب وہاں ہمارے شیخ عبدالرحمٰن صاحب تعلیم کے لیے گئے تھے تو وہاں عیسائیوں نے خوب شور مچایا ہوا تھا۔ ان کو ایک شخص ملا۔ جو قریب قریب عیسائی ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس کو بتایا، کہ دیکھو قرآن شریف سے تو مسیح کی وفات ثابت ہے۔ انجیل بھی یہی کہتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح کشمیر میں مدفون ہے۔ کیا وہ بھی خدا ہو سکتا ہے۔ جب شیخ صاحب نے اس شخص کو یہ بتا کر پادری کے پاس بھیجا۔ تو

پادری نے کہا، کہ تم قادیانی ہو۔ اس نے کہا۔ مَیں تو نہیں جانتا کہ قادیان کیا ہے۔ لیکن یہ میرے سوالات ہیں ان کا جواب دو۔ اُس نے کہا، کہ تم سے بات کرنے کی ہمیں اجازت نہیں۔

تو چھوٹے چھوٹے احمدی جن کی تعلیم ابھی ناقص ہوتی ہے۔ ان سے بھی عیسائی بات کرنے سے ڈرتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک احمدی جو چھٹی ساتویں جماعت تک پڑھا ہوا تھا۔ رنگون میں بغرض تلاش معاش گیا۔ ایک دن سیر کرتا ہوا ایک جگہ پہنچا۔ وہاں سینکڑوں کا مجمع تھا۔ اور ایک پادری صاحب بڑے زور سے تقریر کر رہے تھے۔ جب وہ تقریر کر چکے۔ تو اس نے اجازت چاہی۔ چونکہ یہ لباس اور طرز سے سادہ معلوم ہوتا تھا۔ پادری صاحب نے خیال کیا کہ جب یہ سوال کر کے شرمندہ ہوگا تو میرا لوگوں پر خوب اثر پڑے گا۔ اس لیے انہوں نے سوال کی اجازت دیدی، مگر جب اس احمدی نے اعتراض کئے۔ تو پادری صاحب گھبرا گئے۔ جواب تو انہوں نے دیئے، مگر جب وہ احمدی جواب الجواب دینے لگا، تو وہ کہنے لگے۔ آج تو وقت نہیں رہا۔ کل سہی۔ آخر ان سوالوں سے گھبرا کر انہوں نے وہ سلسلہ ہی بند کر دیا۔ یہ تو چھوٹے احمدیوں کے مقابلہ کا حال ہے۔ جو زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ ان سے تو واقعی پادریوں کی رُوح کانپتی ہے۔ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ اوّلؓ نے مفتی محمد صادق صاحبؓ کو راولپنڈی کے علاقہ میں جہاں ایک مشہور دنگل ہوتا تھا۔ اور عیسائیوں نے بھی خیمے لگاتے ہوئے تھے بھیجا۔ جونہی کہ مفتی صاحب پہنچے۔ انہوں نے اپنے خیمے وغیرہ اُٹھا لیے اور وہاں سے چلے گئے۔

غرض احمدیت کے مقابلہ میں عیسائیت بالکل نہیں ٹھہر سکتی۔ عیسائیت اور احمدیت کی ایسی ہی مثال ہے۔ جیسی آگ اور پانی کی۔ آگ خواہ کتنی ہی تیز ہو۔ پانی کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی پس عیسائیت آگ ہے اور احمدیت پانی۔ عیسائیت ظلمت ہے اور احمدیت روشنی۔ اب سورج چڑھ گیا۔ جہاں اس کی روشنی پہنچے گی۔ عیسائیت کی ظلمت وہاں نہیں ٹھہر سکتی خواہ کتنی ہی دیواریں بلند کی جائیں۔ یہ واقعہ ہے، کہ جہاں احمدیت پہنچی۔ وہاں سے عیسائیت بھاگنا شروع ہو جاتی ہے۔ دوسرے مسلمان جو غیر احمدی ہیں۔ ان کا بھی فرض ہے کہ ادھر متوجہ ہوں مگر ان کے پاس وہ ہتھیار نہیں جو ہمارے پاس ہیں۔ اس لیے وہ عیسائیت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے عراق عجم کی جو حالت ہے اس کی درستی کے لیے اور وہاں کے غیر احمدی مسلمانوں کو عیسائیت کی آگ سے بچانے کے لیے ہمیں وہاں آدمی بھیجنے چاہئیں مجھے اس تار سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے غالباً گورنمنٹ سے اجازت لے لی ہے۔ پس یہ ایک نیا میدان نکلا ہے۔ اگرچہ وہاں کے چند سو احمدیوں نے ہمت کر کے ڈیڑھ ہزار روپیہ جمع کر لیا ہے۔ مگر یہ ایک عارضی بات ہے۔ کیونکہ وہ لوگ ملازمت پر گئے ہوتے ہیں۔ اور اپنی

مُدتیں ختم ہونے پر واپس آجائیں گے اس لیے وہاں کا یہ خرچ بھی یہاں کے احمدیوں کو ہی برداشت کرنا پڑیگا پس وہ علاقہ مدد کا مستحق ہے۔ کیونکہ وہ علوم کا مرکز رہا ہے اور دُنیا نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے وہاں دُنیا کے رُوحانی اُستاذ بھی جمع رہے ہیں۔ وہ اسلام کی خلافت کا بھی مرکز تھا۔ ان کا ہم پر بھی احسان ہے کیونکہ منگولی قوم کے لوگ بغداد کو فتح کرنے کے بعد مسلمان ہوتے۔ گویا فاتح ہو کر مفتوح ہو گئے۔ اس لیے ہم پر ایک احسان ہوا۔ کیونکہ وہ حضرت صاحب کے آباء تھے۔ اور حضرت صاحب کے ذریعہ ہم تمام پر احسان ہوا۔ اس لیے وہاں کے قدیم باشندوں کو عیسائیت کے تاریک گڑھے سے نکالنے کے لیے احمدیوں کو جدوجہد کرنی چاہیئے۔

لوگ تو پیٹتے ہیں کہ ہماری سیاست گئی۔ حالانکہ پیٹنے کی چیز یہ ہے کہ مذہب ہاتھوں سے جا رہا ہے۔ نادان حکومتوں کو رو رہے ہیں۔ حالانکہ رونے کا مقام یہ ہے کہ اسلام سے لوگ بے بہرہ ہو رہے ہیں۔ اگر تمام کی تمام حکومتیں مسلمانوں کی ہوں۔ مگر ان میں اسلام نہ ہو۔ تو ان حکومتوں سے کیا فائدہ؟ ہم کہتے ہیں دُنیا میں ایک بھی مسلمانوں کی حکومت نہ ہو۔ مگر لوگ سب کے سب اسلام کے خادم بن جائیں۔ اگرچہ یہ ناممکن ہے کہ سب لوگ تو اسلام کو قبول کرلیں اور پھر بھی مسلمانوں کی حکومت نہ ہو۔ پس ہم میں اور ان غیر احمدیوں میں یہی فرق ہے کہ وہ مرض کا غلط علاج کرتے ہیں اور ہم صحیح علاج کرتے ہیں۔ ہم منبع کو روکنے کی فکر میں ہیں۔ اور وہ مرض کے اصل علاج سے غافل۔ اگر مسلمان اسلام پر قائم ہوتے تو وہ ان حکومتوں کو مسلمان بنانے کی فکر کرتے جب یہ لوگ مسلمان ہو جاتے تو بجائے اس کے کہ ان کی تلوار مسلمانوں کے خلاف نکلتی۔ ان کی تائید میں ہو جاتی۔ تیرہ سو برس سے موقع تھا کہ یہ لوگ یورپ میں تبلیغ اسلام کرتے اور یورپ کو مسلمان بناتے۔ مگر ادھر انہوں نے توجہ نہیں کی۔ برخلاف اس کے عیسائیوں کی ترقی سولھویں صدی میں شروع ہوئی۔ اس عرصہ میں انہوں نے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کو عیسائی بنالیا اور یہ اس غلطی کا خمیازہ ہے۔ جو یہ بھگت رہے ہیں۔ حالانکہ عیسائیت وہ مذہب ہے جس میں ذرہ بھی جان نہیں۔ ان کے پاس وہ مذہب تھا جس کو لیکر یہ دُنیا کو اس سرے سے اُس سرے تک تبلیغ کے ذریعہ مسلمان بنا سکتے تھے۔ مگر یہ ان کی غلطی تھی کہ انہوں نے تبلیغ اسلام سے کوتاہی کی۔ اور اب اس غلطی کا علاج بجز احمدیت کے اور کوئی نہیں۔

پس اسلام کی ترقی تم سے وابستہ ہے۔ اس لیے تمہارا فرض ہے کہ ہوشیاری سے کام لو۔ یہ بوجھ تم پر اس لیے ڈالا گیا ہے کہ تم اس کو برداشت کرو۔ اور اس کو منزل مقصود پر پہنچاؤ۔ اگر تم سُستی کرو گے تو یاد رکھو۔ تم بھی پیس ڈالے جاؤ گے۔ اسلام کی ترقی کا بوجھ تمہارے سروں پر رکھا گیا ہے اس لیے اس

کو منزل پر پہنچانے کے لیے ہمت کرو۔ اگر ایسا نہیں کروگے اور غفلت سے کام لوگے۔ تو اس بوجھ کے نیچے دب جاؤ گے۔ اب وقت ہے کہ اسلام کی خدمت اپنے علم سے کرو۔ اپنے مال سے کرو۔ جو لوگ جسمانی خدمت کر سکتے ہیں۔ وہ جسمانی خدمت کریں۔ جو وقت سے کر سکتے ہیں۔ وقت سے۔ جو تدبیر سے کر سکتے ہیں۔ تدبیر سے کریں۔ غرض اسلام کی ترقی تم سے وابستہ ہے۔ اب وہ وقت ہے کہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمیں اپنی ذمہ واریاں سمجھنی اور اپنے فرائض بجا لانے چاہئیں۔

خدا تعالیٰ مجھے اور آپ کو اپنے اپنے فرائض کے سمجھنے کی توفیق دے۔ اور اسلام ہماری زندگیوں میں دُنیا میں پھیل جائے۔ اور ہم اس کام کو اپنی آنکھوں سے پُورا ہوتا دیکھ لیں جس کے لیے مسیح موعودؑ کو بھیجا گیا۔"

(الفضل ۲۹ جنوری ۱۹۲۰ء)